© rasailojaraid.com

پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم

پروفیسر خورشید احمد

قرطبہ کے تاریخی اجتماع کے پہلے دن کے آخری لمحات تھے۔ محترم امیر جماعت کا اجتماع ارکان میں خطاب اپنے اختتام کی طرف سیل رواں کی مانند فروزاں تھا کہ میرے بائیں جانب منور بھائی کے کان میں ڈاکٹر کمال نے انتہائی افسردگی کے عالم میں یہ اندوہناک اطلاع دی کہ اجتماع کے ہسپتال میں پروفیسر سید محمد سلیم کی روح دارفانی سے ابدی زندگی کی طرف پرواز کر گئی ہے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون!

۷۷ سالہ جواں ہمت درویش' مجاہد اور محقق جس نے ۱۷ سال کی عمر میں ترجمان القرآن کے ذریعے تحریک اسلامی کے پیغام کا پہلا جام نوش جان کیا تھا' جس نے تحریک پاکستان میں علی گڑھ کے پرعزم نوجوانوں کے ساتھ آزادی کے حصول کے لیے جان کی بازی لگا دی تھی' جس نے ۵۰ سال پہلے ۱۹۵۱ء میں جماعت کی رکنیت کا حلف اٹھایا تھا اور اس پورے عرصے میں اس حلف کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطے کی پابندی کر رہا تھا بلکہ صحیح تر الفاظ میں اپنے شب و روز ایک دیوانگی اور وارفتگی کے عالم میں دین حق کی تعلیم اور اقامت حق کے لیے صرف کر رہا تھا' بالآخر اس نے پاکستانی قرطبہ کی اس علم کی متلاشی سرزمین پر' جہاں ایک نئی علمی اور تہذیبی دنیا بسانے کے لیے خواب دیکھے جا رہے ہیں اور جن خوابوں کی پہلی تعبیر دیکھنے کے لیے لاکھوں سرپھرے جمع ہو کر صحرا میں گلشن اور اسلام کی آغوش میں ایک نیا اور تہذیبی اندلس بسانے کی بنیاد رکھ رہے تھے' اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور قرطبہ کی سرزمین سے ملک عدم کا پہلا مسافر بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ جماعت اسلامی کے اس تاریخی اجتماع میں شرکت کے لیے ضعف اور بیماری کوئی بھی چیز اس کی راہ میں حائل نہ ہوئی اور وہ جوانوں کی طرح کراچی سے رواں دواں اس سرزمین تک پہنچ کر اپنی اصل منزل کے لیے سرگرم سفر ہو گیا۔

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج کوئے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر سید محمد سلیم کا ذکر تو اپنے جمعیت کے دور میں بھی بارہا سنا اور خصوصیت سے محترم چودھری غلام محمد مرحوم کی زبانی جو ان کی علمیت' للہیت اور تحریکیت کے بڑے معترف تھے لیکن ان سے تفصیلی ملاقات کا موقع اس وقت ملا جب وہ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ (سندھ) سے وابستہ ہوئے۔ اس زمانے میں مجھے محترم چودھری غلام محمد مرحوم کے ساتھ بار بار منصورہ جانے اور وہاں رہنے کا موقع ملا۔ وہاں مولانا جان محمد بھٹو مرحوم' مولوی محمد شفیع مرحوم (جن کی وقف کردہ زمین پر ادارہ قائم ہوا تھا)' پروفیسر سید محمد سلیم اور مولانا محمد اسلم سے ملنے' گھنٹوں بات چیت کرنے' ان کے کام اور کام میں انہماک اور انہماک پر سرشاری کو بچشم سر دیکھنے کا موقع ملا۔ میں دلی' لاہور اور کراچی کے ماحول کا پروردہ' منصورہ کی اس بستی میں مجھے ایک بالکل دوسری دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ یہ دنیا بڑی مختلف دنیا تھی۔ یہاں سادگی' خلوص' محبت' شفقت' درویشی کا سراپا دیکھا جا سکتا تھا۔ شہری سہولتوں کے عادی کے لیے اس دیہاتی زندگی کا تجربہ نیا تو تھا ہی مگر لذیذ اور پرکشش بھی تھا اور اس کے حسن اور جاذبیت کو دوبالا کر دینے والی دو شخصیتیں تھیں--- جان محمد بھٹو اور پروفیسر سید محمد سلیم:

راہ جنوں آسان ہوئی ہے زلف و مژہ کے سائے سائے

پروفیسر سید محمد سلیم کی شفقت' تبحر علمی' سادگی' مقصد سے والہانہ عشق' ذاتی ایثار اور ایک ناقابل بیان مقناطیست جس کا منبع ان کی آنکھوں کی کچھ سرخی مائل چمک اور ان کی آواز کا رعب اور شیرینی تھے' جس کا نقش ۶۰ کی دہائی کے ان اولیں سالوں میں پڑا' وہ ان ۴۰ سالوں میں گہرا ہی ہوتا گیا۔ کم لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں نقش اول اور نقش آخر میں اتنی ہم آہنگی اور یکسانی ہو! یہ ان کی سیرت کی پختگی' ان کی زندگی کی یک رنگی اور ان کے صبغۃ اللہ میں رچ بس جانے کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

سید صاحب ۱۵ دسمبر ۱۹۲۳ء ریاست الور میں تجارہ کے مقام پر ایک معزز دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسٹیٹ ہائی سکول تجارہ میں حاصل کی اور پھر اینگلو عربیک کالج دہلی (جس کے سیکنڈری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت خود مجھے بھی حاصل ہے) اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ایم اے (عربی) اور ایل ایل بی میں نمایاں کامیابی کے بعد تدریس کی زندگی اختیار کی۔ تحریک پاکستان میں بھرپور شرکت کی اور تحریک اسلامی سے جو دینی اور قلبی رشتہ زمانۂ طالب علمی ہی میں قائم کر لیا تھا وہ بالآخر ۱۹۵۱ء میں رکنیت کی شکل میں بار آور ہوا۔ علی گڑھ میں اگر ایک طرف برعظیم کے مشہور عربی دان مولانا عبدالعزیز میمن کے شاگرد رشید تھے تو دوسری طرف کالج کی ہم نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور مجلس اسلامیات کے صدر بنے۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقسیم سے قبل جماعت کے الٰہ آباد کے اجتماع میں طلبہ کے ایک وفد کے ساتھ شرکت کی اور یہی وہ سفر ہے جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چودھری غلام محمد مرحوم سے متعارف ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج حیدر آباد، سندھ میں عربی کے استاد کی حیثیت سے تعلیمی کیریر کا آغاز کیا لیکن جب ۱۹۵۷ء میں سرکاری ملازمت یا جماعت کی رکنیت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا معرکہ پیش آیا تو ملازمت چھوڑ دی اور "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کی ایک روشن مثال قائم کر دی۔

۱۹۶۰ء میں منصورہ (سندھ) کی ذمہ داری سنبھالی اور اس وقت (غالباً ۱۹۷۴ء) تک اس ادارے کے پرنسپل اور روح رواں رہے جب تک ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اسے سرکاری تحویل میں لے کر ان کو شکارپور تبادلہ نہیں کر دیا۔ ۱۹۸۳ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ نومبر ۱۹۸۴ء میں تنظیم اساتذہ پاکستان کے مرکزی دفتر میں ادارہ تعلیمی و تحقیق کے ڈائرکٹر ریسرچ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی جسے گرم و سرد اور تلخ و شیریں، سب حالات میں بڑی خوبی، خوش دلی اور جاں فشانی سے پورا کیا حتیٰ کہ ۱۹۹۷ء میں خرابی صحت کے باعث کراچی منتقل ہونا پڑا۔ اگر حافظ وحیداللہ نے تنظیم اساتذہ کا تنظیمی ڈھانچہ اپنے شب و روز کی محنت سے قائم کیا اور اسے ایک ملک گیر تحریک بنانے کی سعادت حاصل کی تو پروفیسر سید محمد سلیم نے نہ صرف ان کے علمی دست راست کا کردار ادا کیا بلکہ تنظیم اساتذہ کو ایک علمی اور فکری تحریک کا رنگ دیا اور اس کے شعبہ تحقیق کے ذریعے تن تنہا اتنا بلند پایہ لٹریچر تیار کیا جو ایک بڑے ادارے اور ایک پوری ٹیم کے لیے بھی باعث افتخار ہو سکتا ہے۔

پروفیسر سید محمد سلیم ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ علم اور تقویٰ دونوں میں سلف کا نمونہ، مطالعہ نہایت وسیع اور گہرا، نگاہ ایسی کہ خس و خاشاک اور کوہ و دمن سے علمی جواہر پارے تلاش کرنے میں یکتا، تاریخ، فلسفہ، اور تعلیم کے میدان میں اپنی مثال آپ۔ اس علمی وجاہت اور ماہرانہ قدرت کے ساتھ سادگی، ملنساری اور خاکساری ایسی کہ ان کی خوشہ چینی کرنے والے بھی ان کی انکساری پر شرمندگی محسوس کرنے لگے۔ جس طرح پھل دار درخت جھک جاتا ہے، ان میں بھی علم کے بوجھ نے ایسا انکسار پیدا کیا تھا جو ہماری تاریخ میں بزرگوں کی شان تھا۔ اس سادگی اور انکسار کے ساتھ اپنے موقف پر اعتماد، اپنے علم پر بھروسہ اور اپنی دلیل پر شرح صدر انھی کا حصہ تھا۔ اہل علم و فضل کے جس کردار کا تذکرہ کتابوں میں پڑھا تھا، ان کی ذات میں اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہم جیسے گناہ گاروں نے بھی کر لیا۔ سید صاحب بیک وقت علم کا ایک بحرذخار اور انکسار اور مٹھاس کا گلشن پُربہار تھے--- صحیح معنی میں فنا فی العلم اور درویش صورت، درویش سیرت، خلوص کا پیکر اور روشنی کا مینار:

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی فکر اور تاریخ کے ساتھ ان کی نگاہ مغربی فکر پر بڑی گہری تھی۔ مغرب پر ان کی تنقید جان دار مگر معتدل تھی۔ ان کا انداز تحریر بہت سادہ اور دل نشین تھا۔ تعلیم و تحقیق ان کا اوڑھنا بچھونا اور ان کی شخصیت کا سراپا اور ان کی اصل پہچان تھا۔ نظریہ پاکستان کے معتبر شارح اور اسلامی تہذیب و تمدن کے پُرعزم ترجمان! پروفیسر سید محمد سلیم نے چھوٹی بڑی ۳۶ کتابیں اور کوئی ۲۰۰ کے لگ بھگ متفرق مضامین و مقالات سپرد قلم کیے، نیز نو دس کتابوں کے مسودے امانت چھوڑ گئے۔ ان کی کتابیں ایک مدت تک علم و عرفان کی روشنی پھیلاتی رہیں گی۔ میں نے ان کی بیشتر تحقیقات سے خوشہ چینی کی ہے لیکن ان کی جس کتاب سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ ان کی اس تحقیق پر مبنی ہے جس میں علی گڑھ کالج سے پہلے کے مغربی زبانوں کے ماہر علما کا تذکرہ ہے۔ انھوں نے تاریخ کو کھنگال کر ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ایسے علما کے حالات مرتب کیے ہیں جو علی گڑھ تحریک کی انگریزی نوازی سے پہلے انگریزی زبان و ادب سے آشنا ہو گئے تھے اور کسی تعصب کے بغیر اس زبان کے ذریعے مغرب کی علمی جولانیوں تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ یہ ان کی ایک منفرد خدمت ہے مگر افسوس ہے کہ علمی حلقوں نے اس کا ایسا اعتراف نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ انھوں نے پہلی بار تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ انگریزی زبان سے مسلمان علما کو کوئی اختلاف یا کد نہ تھی، بلکہ انھوں نے مسلمانوں کی علمی روایات کے مطابق اس زبان پر ایسی دسترس حاصل کرنے کی بڑی بھرپور اور غیر متعصبانہ کوشش کی جو ان کو مغرب کے فکر سے روشناس کرائے۔ ان کی مخالفت نفس زبان سے نہیں، اس تہذیب اور ثقافت سے تھی جو انگریزی زبان اور انگریزی حکمرانی کے ذریعے مسلمانوں پر مسلط کی جا رہی تھی۔ یہ مغرب زدہ طبقے کا تعصب تھا جس نے اسے علما کی انگریزی زبان سے دشمنی کے رنگ میں پیش کیا۔

سید صاحب نے اگر ایک طرف اسلامی نظام تعلیم کا کم و بیش ایک مکمل خاکہ اپنی تحریروں میں پیش کیا اور اس کے عملی انطباق کی شکلوں اور نصاب کے خدوخال کو لکھ کر واضح کیا تو اس کے ساتھ عملاً تعلیم کی اسلامی تشکیل جدید کے لیے کئی بڑے کامیاب تجربات بھی کیے۔ وہ ایسے بہت سے چراغ روشن کر گئے جو ان کے بعد بھی ضوفشاں رہیں گے اور ان شاء اللہ ان کے صدقات جاریہ کی صورت میں مغفرت اور پاکستان سے تاریکیوں کی رخصت کا سامان کرتے رہیں گے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اللہ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہم سب کے لیے ایک روشن نمونہ چھوڑ گئے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

© rasailojaraid.com